قرآن اور سیرت سازی

استاد مسعود [illegible] صاحب

یہ مقالہ مجموعہ مقالات علمیہ حیدرآباد اکاڈیمی نمبر (۳) میں شائع ہوا

مطبوعہ عہد آفرین برقی پریس حیدرآباد دکن

سنہ ۱۳۶۱ھ

قرآن

اور

سیرۃ سازی

شہ نیست کہ تخت عاج دارد | تا آنکہ نہ شاہانہ مزاج دارد
یعنے کہ خروس پیش ارباب شعور | سلطان نشود اگرچہ تاج دارد (درد)

دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت شئے سب سے زیادہ گراں قدر اور عزیز شئے پاک سیرت ہے! زندگی تربیت گاہ ہے حق تعالیٰ مربی و معلم ہیں۔ واقعات و حادثات وہ آلات و ادوات ہیں جن کے ذریعہ وہ ہماری سیرت ہی کی تکمیل کر رہے ہیں۔ دنیا کی روح سازو ادی میں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت ہی کے خفتہ نغمے بیدار کئے جاتے ہیں، زندگی کی غایت ہی یہ نظر آتی ہے کہ سیرت کو سنوارا جائے، پختہ کیا جائے، کامل بنایا جائے کیوں؟ اس لئے کہ سیرت ہی پر دنیوی کامیابی کا انحصار ہے سیرت ہی پر فوز آخرت کا مدار ہے۔ دین و دنیا کی اصلاح سیرت ہی کی اصلاح سے ہو سکتی ہے۔ سیرت پر جسمانی اور روحانی صحت مبنی ہوتی ہے اور بدنصیبی اور طمانیت خاطر پاک سیرت ہی کا نتیجہ ہے! بنی آدم کا مد اکرام "

سیرت ہی کی پاکی کی وجہ سے ہوتا ہے جو انسان پاک سیرت نہیں وہ صورتاً گو انسان ہے لیکن حقیقتاً وہ حیوان ہے یا دیو ہے یا غول ہے "شیاطین الانس" میں اس کا شمار ہے وہ دنیا و دین و آخرت کی حقیقی اقدار سے محروم ہے۔

سیرت، علمائے نفسیات کی باریک بیں اور دوررس نگاہ میں ان تیقنات، عادات و میلانات کا مجموعہ ہے جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہے، اس کو دوسروں سے ممیز کرتا ہے اور اس کی وحدت کردار کا باعث ہے۔ ہر فرد دوسرے فرد سے ممیز ہوتا ہے صورت اور سیرت میں۔ صورت کی غیریت تو حقیقی واقعی ہوتی ہے، یہ رفع نہیں کیجا سکتی ہے اور نہ کوئی اس کو رفع کرنا چاہتا ہے لیکن سیرت میں ایک قسم کی مماثلت ہو سکتی ہے یہ مماثلت عینیت نہیں۔ انفرادیت ناقابلِ انکار ہے، باوجود مماثلت کے انفرادیت موجود ہوتی ہے اِس انفرادیت کا مبدء انا اور اس کے وہ اقتضاءات و قابلیات ہیں جو اپنا ظہور عادات و افعال میں کرتے ہیں اور اس تمام مجموعہ کو ہم نفسیات کی اصطلاح میں سیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیرت افعال میں وحدت پیدا کرتی ہے اور سیرت کے کامل علم کے بعد بڑی حد تک فرد کے افعال کی پیشین گوئی ممکن ہو جاتی ہے۔

سیرت کی تحلیل میں ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ عادات کی تنظیم کا نام ہے۔ افعال کا صدور بظاہر محرکات پر مبنی ہوتا ہے لیکن محرکات کا ماخذ و منبع وہ تیقنات و اذعانات ہوتے ہیں جو انسان زندگی کے تجربات، ماحول کے اثرات تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ علم و یقین، عمل و عادت یہ وہ اہم عناصر ہیں جن میں سیرت کی تحلیل ہوتی ہے۔ سیرت سازی کے طریقے کو جاننے کے لئے ہمیں ان ہی عناصر کی تحقیق کرنی ہوگی۔

(۱) علم و یقین: العلم نکتۃ، سیرت سازی کے لئے صرف ایک نکتہ کا وجدانی اجمالی علم کافی ہے۔ پھر عقلی طور پر اس کی تفصیل و توضیح میں ہم کافی دور نکل جا سکتے

ہیں ۔

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است — تعلیم کن گرت بدیں دسترس است
گفتم کہ الف دگر گفتم ہیچ — در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

(شیخ عزالدین محمود الکاشی)

وہ وجدانی علم علم لدنی حق تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار ہے اسی اقرار کی مضبوط چٹان پر سیرت کی مشیّد عمارت تعمیر کیجا سکتی ہے اس اقرار کے تضمنات پر غور کرو۔ جب میں ایمان واذعان کی شاہانہ قوت سے حق تعالیٰ کے الٰہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں تو سب سے پہلے میں یہ مان رہا ہوں کہ حق تعالیٰ ہی معبود ہیں، وہی عبادت یا پرستش کے قابل ہیں عبادت کیا ہے؟ یہ غایت تذلّل کا نام ہے، اظہار ذلت کا نام ہے میرا یہ سر اگر جھک سکتا ہے تو میرے خالق میرے مولیٰ میرے مالک و حاکم ہی کے سامنے جھک سکتا ہے اور غیر کے سامنے ہرگز نہیں جھک سکتا۔ اظہار ذلت کی وجہ کیا ہے؟ میں فقیر ہوں محتاج ہوں۔ میرا معبود غنی ہے قوت و اقتدار سے متّصف ہے علم و حکمت سے موصوف ہے، رب ہے، پالنے والا ہے، مستعان ہے۔ مدد کرنے والا ہے استعانت ہی کی خاطر اس کے سامنے اظہار ذلت کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ سارا عالم فقیر ہے اور میرا معبود ہی صرف غنی و حمید ہے، میں اس کا فقیر ہو کر سارے عالم سے غنی ہوں۔ میرا یہ احساس کہ میں اس شہنشاہ کا دریوزہ گر ہوں جس کے دریوزہ گر سارے شاہ و گدا ہیں مجھے سارے عالم سے بے نیاز کر دیتا ہے اور میں کفی باللّٰہ وکیلا کہہ کر عبادت و استعانت کے نقطۂ نظر سے ماسوی اللّٰہ سے کٹ جاتا ہوں اور فقر و ذلت یا بندگی کی نسبت اللّٰہ ہی سے جوڑ لیتا ہوں اب کائنات کی بڑی سے بڑی قوت بھی میرے لئے نہ امیدوں کا مرکز بن سکتی ہے اور نہ خوف و ہراس کا سبب۔ ان سب کا فقر، ان سب کی ذلت و مجبوری بیچارگی

و بے بسی میری نظروں میں اتنی ہی آشکارا و ہویدا ہو جاتی ہے جتنی کہ خود میری بیکسی و مجبوری - ہم سب عبد ہیں، کوئی چیز اصالتہً ہماری نہیں - فقر ہماری ذاتی صفت ہے - امانتہً چند روز کے لئے چند چیزیں ہم کو دی جاتی ہیں، نادانی سے ہم ان کو اپنی سمجھتے ہیں حقیقی مالک کو بھول جاتے ہیں ان ہی کی محبت میں فریفتہ ہو جاتے ہیں حقیقی اقدار سے غافل ہو جاتے ہیں - ناگہاں یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور یہ ساری محبوب و مرغوب چیزیں موت ہم سے چھین لیتی ہے اور پھر اپنے اصلی فقر و ذلت کے ساتھ ہم نادم پشیمان اس جہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں تاکہ اپنے اعمال کے اثرات کو اپنے افعال کے نتائج کو، اپنے کردار کے اثمار و عواقب کو جو اس دنیا میں اپنی موجودگی کا مختلف رنگوں میں ہمیں احساس بخش رہے تھے زیادہ اجاگر زیادہ واضح و نمایاں طریقے سے دیکھیں اور حسرت اور ندامت کی آگ میں جلیں -

سیرت کی تعمیر اسی اساسی یقین پر ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہی معبود ہیں جن کے آگے یہ میرا سر جو سارے جہاں کے مقابلہ میں معزز و مفتخر، بلند و بالا ہے، فقیرانہ شان سے جھک رہا ہے اور حیات و علم، رزق و فراخی، صحت و عزت، ہدایت و رشد کی استدعا کر رہا ہے اور غیر متزلزل یقین کے ساتھ کر رہا ہے کہ جو اس کی آنکھ چاہے جو تماشہ دکھلائے اور وہ ہم چاہے جو مانے اور منوائے، یہ ساری نعمتیں حق تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں ان کے سوا نہ کسی میں حول و قوت ہے اور نہ فعل و اثر وما من نعمۃ فمن اللہ! صورتوں سے جو ہم نے امیدیں باندھ رکھی ہیں - صورتوں کو جو ہم نے خوف کی چیزیں سمجھ رکھا ہے، صورتوں کے سامنے جو ہم ذلت کا اظہار کر رہے ہیں اور صورتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ان کو رب بنا رکھا ہے یہ کس قدر عظیم الشان دھوکا ہے ضر و اضلال کا پہلو کس قدر قوی ہے، عزت نفس کی خونریزی کو دیکھو اپنی ذلت و رسوائی کو دیکھو - اس کذب و افترا

کے نتائج پر غور کرو، فقیروں کے در پر سوال کرنے سے بھی؟ کچھ ملا ہے، اس غریب کے ہاں کیا رکھا ہے جو دوسروں کو دے! امیدوں کا خون ہونا لازمی ہے۔
حسرت و حرمان قطعی جو بے چارہ اپنے درد دکھ کو دفع نہ کر سکتا ہو وہ تمہارے درد و غم کا کیا علاج کر سکتا ہے وہ تمہارا مولیٰ و رب کیسے ہو سکتا ہے! ہائے تم نے حقیقت کو چھوڑ کر سایہ کا تعاقب شروع کر دیا ہے بیدار کو چھوڑ کر مدہوش سے التجا کر رہے ہو۔ زندہ کو چھوڑ کر مردے سے لپٹے ہوئے ہو! تمہارے وہم نے تمہیں کس التباس میں مبتلا کر رکھا ہے۔

بقولِ دشمن پیانِ دوست بشکستی
بہ بیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

معبود و مستعان صرف حق تعالیٰ ہے، ذل و افتقار کی نسبت ان ہی سے جوڑنا چاہیئے وہی ہماری امیدوں کے مرکز ہیں، ان ہی کی ناراضی سے ہمیں خوف کرنا چاہیئے ان چوب و سنگ و گوشت و پوست کے جھوٹے خداؤں سے بندگی کی نسبت قطعاً توڑ لینی چاہیئے۔

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی
بگذر از خدائے کہ بصد رنگ تراشی!

حق تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت پر یقین، یہ ایمان سیرت کا سنگِ بنیاد ہے، اسی یقین کی پرورش ہونی چاہیئے۔ آلہہ باطلہ کی نفی الٰہ حق کا اثبات قلب کی گہرائیوں میں متمکن ہو جائے۔ تحت الشعور نفس میں جاگزیں ہو رگوں میں خون کی طرح دوڑ جائے، علم الیقین کے مرتبہ سے گذر کر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جائے، متحقق ہو جائے تو پھر ایسی شخصیت کی تخلیق ہوتی ہے جس کا مقابلہ کائنات کی کوئی قوت نہیں کر سکتی، وہ بفحوائے تخلقوا باخلاق اللہ خلق الٰہی سے

مزین ہوتا ہے۔ تمام صفات رذیلہ سے پاک اور تمام اوصاف حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے کامل عبد ہوتا ہے، جس سے بہتر جس سے زیادہ مقدس دنیا میں کوئی شئے نہیں ہوتی۔

توحید معبودیت کی رو سے حق تعالیٰ ہی مالک و حاکم قرار پاتے ہیں اور مستحق عبادت ٹھہرتے ہیں ہمارا سر حقیقی مالک و حاکم ہی کے سامنے جھکتا ہے جس کے آگے ساری کائنات سرنگوں ہے طوعاً و کرہاً اور توحید ربوبیت کی رو سے حقیقی فاعل حق تعالیٰ ہی قرار پاتے ہیں وہی خالق ہیں وہی نافع و ضار ہیں وہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں، ہمارا ہاتھ ان ہی کے آگے دراز ہوتا ہے اور ان ہی سے ہم مدد و اعانت کے لئے درخواست کرتے ہیں! غنی کی فقیری ہمیں ساری کائنات سے بے نیاز اور غنی کر دیتی ہے۔

دیکھو توحید معبودیت و ربوبیت کا سبق دے کر عرب کے امی معلم (فداہ ابی و امی) نے اپنے متبعین کو صفاتِ رذیلہ سے کس طرح پاک اور صفاتِ حمیدہ سے کس طرح مزین کر دیا تھا۔ صفاتِ رذیلہ جن سے تمام علماءِ اخلاق قلوب کا تزکیہ چاہتے ہیں اس رباعی میں یوں ادا کئے گئے ہیں۔

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ — دہ چیز برون کن ز درون سینہ
حرص و حسد و بخل و حرام و غیبت — کذب و غضب و کبر و ریا و کینہ

دیکھو ان صفاتِ قبیحہ سے قلب کا تزکیہ "سقراط کے طنزیات" افلاطون کے "مکالمات" ارسطو کی "اخلاقیات" اور جدید فلسفیوں کے عالمانہ "خطبات" کے بغیر پڑھے اور سمجھے صرف لا الٰہ الا اللہ کے مختصر جملہ کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کس آسانی سے ہو جاتا ہے!

جب تک انسان دولت کو اپنی ملک سمجھتا ہو خود کو اس کا مالک

جاتا ہے نہ حرص کا اس کے قلب سے تسلط ہو سکتا ہے اور نہ بخل وحسد کا۔ جو لوگ یہی
اس نے سچے دل سے توحید فی الآثار کا اقرار کیا اور یہ مان لیا کہ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰت
وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا (اللہ ہی کے لئے ہے سارے آسمان اور زمین اور ان
کے درمیان جو کچھ ہے) تو اس نے اپنی مالکیت وحاکمیت کی نفی کی اور حق تعالیٰ
کی مالکیت وحاکمیت کا اثبات کیا، حقیقی مالک ومتصرف حق تعالیٰ کو جانا اور اپنی
ذات کو محض امین سمجھا۔ اب اس کی سمجھ میں یہ بھی آگیا کہ حقیقی مالک ہی کو تصرف
کا حق حاصل ہوتا ہے۔ امین امانت کے تحت ہی تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ اب اگر
دولت پر جو اس وقت اسکی امانت میں ہے کوئی آفت آجاتی ہے تو وہ بحیثیت
امین اس کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے، اگر بچ نہ سکے تو جانتا ہے کہ
مالک حقیقی امانت کا استرداد چاہتا ہے اور بخوشی وہ اپنی امانت حوالہ کر دیتا ہے۔
اس طرح نہ اس کے جانے کا رنج ہوتا ہے اور نہ اس کے آنے کی خوشی، اور اس
کا قلب ان اختلال پیدا کرنے والے تاثرات سے پاک وآزاد رہتا ہے اور وہ
ع یک دل داری بس است یک دوست ترا، کہہ کر حق تعالیٰ ہی کو اپنا محبوب
قرار دیتا ہے اور یکدم رنج وغم، پریشانی وپشیمانی کے تمام احساسات وجذبات
سے حقیقی معنے میں نجات حاصل کر لیتا ہے! ایسی ہی خوش قسمت کی ذہنیت
کو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے: لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا
تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ[1] (پ ۲۷ ع ۱۹)

ان اصول کو سمجھ لینے کے بعد غور کرو کہ وہ شخص حریص کیسے ہو سکتا ہے جو مال و
دولت کا حقیقی مالک حق تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور ان احمقوں کو جو اپنی ذات کو مالک
سمجھ رہے ہیں مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

---

[1] اگر تم غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا

گماں مبر کہ زر و سیم دادہ اندترا — ودیعتے است داری بدست روزے چند
چہ سود گر بشوی غرہ بر متاع کسی — چو موش بر سر دکانِ روستا خور سند

حرص کے ساتھ بخل و حسد کی بھی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ جب مال و دولت ودیعت و امانت ہیں اور وہ بھی چند روزہ امانت، موت کے وقت یہ ہم سے واپس لے لی جاتی ہے اور دوسروں کے حوالہ کیجاتی ہے تو پھر اس علم کے بعد ہماری ذہنیت اس چوہیا کی طرح کس طرح رہ سکتی ہے جو بنیئے کی دکان کی ساری چیزوں کو اپنی سمجھتی ہے اور اپنے ہی کو مالک سمجھتی ہے اور اپنے ہی کو مالک و متصرف جان کر بخل و حرص کا شکار بنتی ہے! غیر کے مال میں بخل بے معنی ہے بخل ہوتا ہے اپنے مال میں یاں اپنا نہیں پھر بخل کیسے؟ حرص کی بنیاد ہی اس خیال پر قائم ہے کہ مالک ہم ہیں حقدار ہم ہیں، ہم کو نہیں مل رہا ہے دوسروں کو مل رہا ہے، ہم کو کیوں نہ ملے! جب مال میرا ہے نہ تیرا بلکہ مالکِ حقیقی کا تو حسد کس پر؟ حسد و حرص اور ان کے لازمی نتائج ہم و غم، درد و حزن، رنج و الم نتیجہ ہیں خیانت فی الامانت کا یعنی شرک کا، جوں ہی شرک کی جڑیں قلب سے لا الہ الا اللہ کے ذریعہ اکھاڑ کر پھینک دی گئیں اور اس کی بجائے توحید جلوہ افروز ہو گئی، انسان ان تباہ کن جذبات کے چنگل سے نجات پاتا ہے حقیقی آزادی کا لطف اٹھاتا ہے سکون و بردِ قلبی کی دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

کبر و فخر و عجب کی اس قلب میں گنجایش ہی کہاں جو اپنے کو حاکم نہیں محکوم مالک نہیں مملوک، رب نہیں مربوب، مولیٰ نہیں عبد سمجھتا ہو۔ اپنی محکومیت و مملوکیت کا یقین جو موحد کے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے فخر و غرور کے جذبات کو پیدا ہونے نہیں دیتا۔ اس کی عضویت اس زہر کو قبول کرنے کی صلاحیت یا استعداد ہی نہیں رکھتی۔

اب توحید فی الربوبیت کے قیام کے آثار پر غور کرو۔ جب تم نے فاعل حقیقی حق تعالیٰ کو مان لیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے قائل ہو گئے، نافع وضار فی الحقیقت ان ہی کو سمجھنے لگے تو خوف وحزن سے تم نے رستگاری حاصل کر لی غیر کو نافع و ضار قرار دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم کو اس سے نفع پہنچنے کی امید ہوتی ہے اور اس امید کی شکست حزن وغم کو ضروری طور پر پیدا کرتی ہے۔ اس سے ضرر کا اندیشہ تمہارے سینہ کو خوف سے بھر دیتا ہے جوں ہی تم نے اس بت کو توڑا اور حق تعالیٰ کی اس تنبیہ کو یاد کیا کہ۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ[1] (پ ۱۱ - ع ۱۶)

غیر اللہ کی ربوبیت تمہارے قلب سے فنا ہو گئی۔ نفع کی امید، ضرر کا خوف تمہارے سینہ سے جاتا رہا اور حزن وخوف سے تم نے ہمیشہ کے لئے نجات پائی۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ[2] (پ ۲۶ - ع ۲)

ربوبیت پر جہاں تم نے استقامت پیدا کر لی کہ دنیا اور زندگی کے متعلق تمہارا سارا نقطۂ نظر بدل گیا، نقطۂ نظر کا بدلنا تھا کہ زمین وآسمان بدل گئے ؎

چوں برخیزد خیال از چشم احول — زمین وآسماں گردد مبدل

ایک وہم تھا خیال تھا جس نے تمہیں خوف وحزن کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، اب تم نے اس خیال کی تصحیح کی ذہنی صحت تمہیں حاصل ہوئی تو ر کی

---

[1] اللہ کے سوا کسی کو مت پکار ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا پھر اگر تو ایسا کرے تو تو اس وقت ہو جائیگا ظالموں میں۔

[2] مقرر جنہوں نے کہا کہ رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

طرف تم نے اپنا منہ کر لیا اور تمہاری روح اپنے خالق و حاکم کو مخاطب کر کے چیخ اٹھی:۔

"اللّٰھمّ اسلمتُ نفسی الیک و وجھتُ وجھی الیک وفوضتُ امری الیک والجاتُ ظھری الیک رغبۃً ورھبۃً الیک لا ملجأ ولا منجا منک الّا الیک"[1]

اے خدا میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی، اپنا منہ تیری طرف کیا، اپنے کام تیرے حوالہ کئے اپنی پیٹھ تیرے سامنے جھکائی تیرے فضل کی امید میں اور تیری ناراضی سے ڈر کر، میری پناہ اور نجات کا مرکز تو ہی ہے۔" اس اقرار ربوبیت کے ساتھ ہی تم نے اپنے قلب میں طمانیت و راحت محسوس کی اعتماد و یقین نے خفتہ قوتوں کو جگایا، سارا عالم تمہیں نفع و ضرر سے خالی، تمہارے ساتھ تعاون عمل کے لئے تیار، تمہارا رفیق و خادم نظر آنے لگا، زندگی کے راستہ میں تمہارے قدم بے باک انداز میں اٹھنے لگے، تمہارا سینہ کینہ سے پاک ہو گیا۔ کیونکہ تمہارا یہ وہم دور ہو گیا کہ سوائے حق تعالیٰ کے ضرر اور نقصان پہونچانے والا درحقیقت دوسرا کوئی ہو سکتا ہے، جو اس کی آنکھ جس کو دشمن بے رحم سے کہہ رہی تھی ایمان کی آنکھ اس کو حق تعالیٰ کا فرستادہ بتلا رہی ہے اور سعدیؒ کے پراثر الفاظ میں کہہ رہی ہے:۔

چوں دشمن بے رحم فرستادۂ اوست   بد عہدم اگر نہ دارم ایں دشمن دوست

اسی وقت غیظ و غضب سے ہی تمہارا نفس پاک ہو گیا، دوست پر غضب کیسا اس یقین کے بعد کہ ہر آفت ہر مصیبت سیرت کے کسی نقص کو رفع کرنے آتی ہے، معلم حقیقی کے طرف سے ایک تنبیہ ہے جو ہمیں اپنے نقائص و ذمائم کی طرف متوجہ کرتی ہے، انکی اصلاح کا موقع دیتی ہے، ہم کو ظلمت سے نکالتی اور نور کی طرف ہمارا رُخ پھیر دیتی ہے، حق تعالیٰ سے جوڑتی اور نفس و شیطان سے توڑتی ہے۔ ہاں پھر اس یقین و اذعان کے بعد ہمارا سینہ غیظ و غضب کا محل کیسے بن سکتا ہے۔

اور ریا جو خلق کے لئے اپنے اعمال کی تزئین ہے، اسی وقت ممکن ہے کہ جب خلق

---

[1] یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہے رواہ البخاری عن البراء بن عازبؓ رسول اللہ صلعم سوتے وقت آخری چیز یہ پڑھتے تھے

کو نافع وضار سمجھا جائے، خلق سے توقعات وابستہ ہوں، یا ضرر کا اندیشہ ہو، اس وہم کے دور ہو جانے کے ساتھ ہی ریاکاری اور تصنع ونمائش کی جڑیں کٹ جاتی ہیں عمل صرف حق تعالیٰ ہی کیلئے جاری ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق کیلئے نہیں رہتا کیونکہ یہ بھی مخلوق ہیں اور مخلوق سے نہ راحت ہے اور نہ سرور وعزت اور نہ یہ مقصود بالذات۔

کذب یا دروغ بافی کا محرک یا تو نفع کا حصول ہوتا ہے یا ضرر کے دفع کا خیال، یا پھر خود بینی، خودستائی، کبر وفخر، عجب وریا۔ ہم نے اوپر دیکھا کہ ربوبیت حق ان صفات ذمیمہ کا استیصال کس خوبی سے کر سکتی ہے، اسی لئے موحد کا قلب صداقت کا خزینہ ہوتا ہے، وہ وعدوں کا پکا، قول کا سچا ہوتا ہے۔ الموفون بعھدھم اذا عاھدوا[1] کا مصداق۔

اسی طرح غیبت شرک فی الربوبیت کا نتیجہ ہے۔ غیبت کی وجہ یا تو عداوت ہوتی ہے جس کا محرک نقصان وضرر کا اندیشہ ہوتا ہے یا حسد یا محض کذب سے حاصل ہونے والی شیطانی لذت ربوبیت کا صحیح علم اور اس پر یقین ان تمام ذمائم کی بے خطا دوا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا۔ غیر اللہ کو حقیقی نافع وضار قرار دے کر ہیں عداوت وبغض وحسد میں مبتلا ہوں اور غیبت نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے، خود آفریدہ التباس کو صحت علمی نے دفع کر دیا اور ان ذمائم کی گرفت سے قلب کو نجات ملی!

غرض تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب یعنی سیرت سازی کے لئے سب سے پہلے شرک فی المعبودیت اور شرک فی الربوبیت کی بیخ کنی ضروری ہے۔ لا کی شمشیر سے مالکیت حاکمیت اور ربوبیت ذوات خلق سے کاٹ دی جاتی ہے اور الّا سے اسکا اثبات ذات حق میں کیا جاتا ہے اور اس طرح اخلاق الٰہیہ سے آراستہ ہونے کی قابلیت اور استعداد پیدا کی جاتی ہے اب مجاہدہ اور عمل اس مقصود کے حصول کے لئے ضروری ہیں اس کی توضیح میں چند مقامات کا پیش نظر رہنا لازمی ہے۔

ابتدا میں ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علم ہی سے عمل پیدا ہوتا ہے لیکن علم سے

---

[1] پورا کرنے والے اپنے اقرار کے جب عہد کریں (۲ ع ۶)

مراد محض نظری علم نہیں لینا چاہیئے جو کانوں کی راہ سے داخل ہوتا ہے لیکن قلب میں جاگزیں نہیں ہوتا، اس لئے عمل کی صورت میں نمایاں ہونے کی قوت نہیں رکھتا اور اس لئے منفعت بخش نہیں ہوتا۔[1] علم سے ہماری مراد وہ یقین واذعان ہے جو قلب کی گہرائیوں میں اپنا مسکن بناتا ہے خون کی طرح تمام رگوں میں دوڑتا ہے۔ دماغ پر کامل تسلط رکھتا ہے اور لازماً عمل کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ایسا یقین تفکر و تدبر یا مراقبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے تفکر کو عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے[2]۔ تفکر و مراقبہ سے علم راسخ ہوتا ہے،[3] مضبوط ہوتا ہے، تلوین جاتی ہے، تمکین رونما ہوتی ہے اور راسخ عقیدہ ہی عملاً اپنا خارج میں ظہور کرتا ہے، جب عمل کی تکرار ہوتی ہے تو عادت پیدا ہو جاتی ہے جو فطرت ثانیہ کہلاتی ہے۔ اب عمل کے لئے فکر و غور کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ غیر شعوری نفس عمل کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے مضایقت رفع ہو جاتی ہے سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ سیرت قائم ہو جاتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے ع چند روز جہد کن باقی بخند۔

اب ہمیں سیرت سازی کے دوسرے اہم عنصر مجاہدہ یا عمل و عادت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

(۲) مجاہدہ، پاک سیرت جس طرح بغیر صحیح علم اور عقیدے کے ممکن نہیں اسی طرح بغیر عمل صالح اور مجاہدہ کے اس کی تمام خوبیوں کا نمایاں ہونا بھی ممکن نہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا جَاهِدُوا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ[4] اور صحیح عقیدہ مجاہدہ ہی کی چشم بصیرت افروز کے

---

[1] ایسے علم سے استعاذہ کیا گیا ہے اعوذ باللہ من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع

[2] تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ الدیلمی وروی ابو الشیخ من حدیث ابو ہریرہؓ

[3] قل انی اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنی وفرادی ثم تتفکروا (ر ۲۲ ع ۱۲) سے تفکر کا حکم صاف طور سے سمجھ میں آتا ہے۔

[4] (پ ۱۷ ع ۱۷) مجاہدہ کرو اللہ کے واسطے جیسا کہ چاہیئے اس کے واسطے مجاہدہ کرنا۔

سامنے نیکیوں کی تمام راہیں کھول دی جاتی ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1]
اب ہمیں مجاہدہ کی اہمیت اور اس کے طریقوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

ذرا اپنے ذہن کے نہاں خانہ کو تو دیکھو کہ یہ ایک لحظ خیالات، تصورات، خواطر اور وساوس سے خالی بھی رہتا ہے؟ علم کا ایک دریا ہے کہ امڈا چلا آرہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک لامتناہی مبدء سے نکل رہا ہے، اس کی ماہئیت و نوعیت پر غور کرو تو ظاہر ہوتا ہے کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ یا تو ہدایتی علم ہے یا ضلالی اس کی آمد کسی طریقہ سے رد کی نہیں جاسکتی۔ کون سی قوت اس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو محض ارادے کی قوت پیدا نہ ہونے دینا بشری طاقت سے باہر ہے خیالات آزادی کے ساتھ ایک نامعلوم منبع سے ظہور کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور نہ ان کے فنا کرنے پر لیکن انسان کو اتنی طاقت دی گئی ہے کہ اپنی توجہ ضلالی علم کی طرف سے ہٹا کر ہدایتی علم کی طرف مبذول کرے یا نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو کہ سلبی خیالات کو ایجابی خیالات میں بدل دے یہی مجاہدہ کی ماہئیت ہے ذہن میں سلبی یا ضلالی خیال غیر اختیاری اضطراری طور پر پیدا ہو رہا ہے اب یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں اس خیال کو گلے سے لگاؤں، پیار کروں، قلب کے میدان میں تخت بچھاؤں اور اس کو معزز مہمان کی طرح عزت و وقار سے بٹھاؤں یا یہ کہ اس کے ذہن کے دروازہ سے سر نکالتے ہی اس کے مقابل ہدایتی یا ایجابی خیال کو اس کی سرکوبی کے لئے لے آؤں اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت سے لڑا دوں ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابلہ میں نور ہی کامیاب ہوگا کیونکہ ظلمت نور ہی کے غیاب کا تو نام ہے، نور ہی کے عدم سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، جہاں نور ہو وہاں ظلمت کیسے چھا سکتی ہے! مجاہدہ حق تعالیٰ ہی کی حول و قوت سے ضلالی علم کے بجائے ہدایتی علم پر عمل کرنے کا نام ہے۔

[1] جنھوں نے ہمارے واسطے مجاہدہ کیا ہم ان کو اپنی راہیں سجھا دیں گے۔

اضلالی خیالات کے ذہن میں خطور کرتے ہی مجاہد کی روح خیر کے مبدء کی طرف استعانت کے لئے متوجہ ہوجاتی ہے۔ استعاذہ کرتی ہے، پناہ مانگتی ہے، اپنی محدود قوت پر بھروسہ نہیں کرتی، اپنی بیچارگی سے واقف ہوتی ہے لامتناہی قوت کے آستان پر تیزی کے ساتھ پہنچ جاتی ہے اور چیخ اٹھتی ہے :۔

سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والجبروت
سبحان الحی الذی لایموت اعوذ بعفوك من عقابك واعوذ
برضاك من سخطك واعوذ بك منك جل وجهك[3]

اور یہ لامتناہی عزت وجبروت یہ لامحدود ملک و ملکوت والا آقا ہم سے دور تو نہیں وہ جو بالذات ہے جہاں میں موجود ہر جگہ" ہمارے پاس ہی تو ہے، رگ جاں سے زیادہ قریب ہے " با ما نزدیک تر" اور الغیاث کی اس پکار پر شان رحمت کے ساتھ متوجہ ہوجاتا ہے اور اس کی تجلی کے ساتھ قلب کی ضرر و اضلال سے پوری حفاظت ہوجاتی ہے! نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو کہ سلبی خیال کی جگہ ایجابی خیال لے لیتا ہے اور شر کا صدور ہی نہیں ہونے پاتا۔

نفسیات کے اس مسلمہ قانون کو یاد کرو جس پر اس مقالہ کی بنیاد قائم ہے کہ افکار ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے، اعمال ہی کی تکرار سے عادت کا قیام ممکن ہے اور عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ مجاہدہ سلبی یا بد یا اضلالی خیالات نے کتم عدم سے سر نکالا ان کے مقابل کے ایجابی یا نیک یا ہدایتی خیالات نے ان سے ٹکر لی۔ اپنی محدود و کمزور قوت سے ان کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ لامتناہی قوت و جبروت کے مبدء سے اخذ فیض کیا، اور اس طرح بے پناہ طاقت کے ساتھ ان پر ضرب لگائی اور ان کا قلع قمع کر دیا جب عمل ہی کا صدور اس طرح روک دیا گیا

[3] یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جس کو حاکم نے عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

اور ابتداہی میں روک دیا گیا تو تکرار کی نوبت ہی کہاں عادت کا قیام کس طرح ممکن، اور سیرت بد کی تشکیل کا کیا ذکر! یاد رکھو کہ فاسد خیالات کو قوت اس وقت ملتی ہے جب وہ تخیل کے دروازے سے خانۂ قلب میں داخل ہوجاتے ہیں اور یہ داخل اسی وقت ہوسکتے ہیں جب دربانِ قلب غفلت کی نیند سو رہا ہو، چوکس نہ ہو، ہوشیار اور خبردار نہ ہو یا پھر اپنے حول و قوت سے ان کا مقابلہ کرنا چاہے اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زور مردافگن ہے! ان سے مقابلہ بچوں کا کھیل نہیں، یہ بڑے سے بڑے پہلوان کو آسانی سے پچھاڑ سکتے ہیں ان کے داؤ پیچ سے بہادر سے بہادر بھی پناہ مانگتے ہیں ان سے مقابلہ کی ایک ہی صورت ہے اس کے ورود کے وقت ہی انہیں پچھاڑ دیا جائے، سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا جائے اور حق تعالیٰ کی حول و قوت سے ان کا سامنا کیا جائے، اللھم اعذنی من شر نفسی[1] کی فریاد نوراً بلند ہو، اعوذ بک منک کی چیخ فوراً نکلے پھر شکست ناممکن ہے، کامیابی قطعی ہے، حق تعالیٰ کی پناہ میں آکر مغلوبیت کیا معنی رکھتی ہے، ناکامیابی کیا چیز ان کی معیت کے ساتھ ہی بلندی نصیب ہوتی ہے اَنتُمُ الاَعلَونَ واللہ معکم[2] کا وعدہ پورا ہوجاتا ہے!

یہی نفسیاتی الہیاتی طریقہ بدعادات کی شکست میں بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے بدعادت سے مراد کوئی عادت جو ہمارے اختیار و تصرف میں نہیں۔ بدعادت کی غلامی تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہے۔ بدعادت کا غلام دنیا میں نہ کامیاب ہوسکتا ہے اور نہ بردقلبی اس کو نصیب ہوسکتی ہے چونکہ افعال ہی کی تکرار سے عادت بنتی ہے اور افعال کا محرک ہمیشہ خیال یا تصور ہوتا ہے

---

[1] اے اللہ میں اپنے نفس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں [2] تم ہی غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہیں (۶ ع ۸)

لہذا بدعادت کی شکست خیال کی تبدیلی پر منحصر ہے۔ عادت کے قائم ہوجانے پر فعل کے ارتکاب کی ایک طبعی خواہش ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اس خواہش کی تکمیل کا خیال پیدا ہوتا ہے ممکن ہے کہ خواہش پر ہمارا قابو نہ ہو لیکن خیال ہمارے تصرف میں آسکتا ہے۔ اگر خیال کا صحیح طریقہ سے مقابلہ کر لیا جائے تو خواہش بھی مغلوب ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر شرابی کی حالت پر غور کرو۔ اس کو شراب کی خواہش ہوتی ہے۔ اور یہ خواہش خیال پیدا کرتی ہے کہ چل کر پینا چاہیئے۔ خیال کا کامیابی سے مقابلہ کرنے پر خواہش کے اشتداد میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ کا مقابلہ دوسری دفعہ کے مقابلہ کو آسان بنا تا ہے اور مجموعی نتیجہ حیرت خیز ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں اس قول کے کہ "خدا ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں"۔

بہر طور بری عادتوں کے آہنی پنجوں سے رہائی اسی وقت ممکن ہے کہ خیال کے پیدا ہوتے ہی اس کا مقابلہ کیا جائے اور اسی طریقہ سے مقابلہ کیا جائے جس کا اوپر ذکر ہوا اگر اس کے باوجود ہمیں ناکامی کی صورت دیکھنی پڑے تو ہمیں مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ مجاہد کے نزدیک یاس کفر ہے گناہ کے ارتکاب کے بعد یا عادات بد کا ایک مرتبہ بار وجود عزم راسخ کے کہ ایسا نہ ہوگا) شکار بننے کے بعد جو ندامت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے جو حزن و ملال کہ وہ محسوس کرتا ہے وہ اس کے ارادوں کو مضبوط کرنے میں غیر محسوس طریقہ پر مفید ہوتے ہیں اور وہ وقت بہت جلد آپہنچتا ہے جب وہ محض اسی طریقہ پر عمل پیرا ہوکر فاتحانہ شان سے اپنی خود ساختہ بیڑیوں کو توڑ کر ہمیشہ کے لئے آزاد ہوجاتا ہے۔ عارف رومی نے مجاہدے کے اس اعتبار کو خاص انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے:۔

اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دم آخر دمے فارغ مباش

تا دم آخر دمے آخر بود — کہ عنایت با تو صاحب سر بود

دوست دارد دوست این آشفتگی　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی!
کار کن کن تو وکاہل مباش　　اندک اندک خاک چہ رامی تراش
چوں زچاہے می کنی ہر روز خاک　　عاقبت اندر رسی در آب پاک!
چوں نشینی بر سر کوئے کسی!　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے!

بہرحال مجاہد ہمت سے کام لیتا ہے حق تعالیٰ نے اس کو جو اختیار دے رکھا ہے اس کو استعمال کرتا ہے اور عزم راسخ رکھتا ہے کہ جب تک گوہر مقصود ہاتھ نہ آئے قلب کا تزکیہ، روح کا تجلیہ نہ ہوجائے وہ دم نہ لے گا اور حق مجاہدہ ادا کریگا، ولولہ انگیز طریقہ سے ہر قدم پر وہ یہ گنگناتا جاتا ہے۔

دست از طلب ندارم تا کار من برآید　　یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن برآید

کامیابی وفتمندی اس مجاہد کے ہاتھ چومتی ہے کان حقاً علینا نصر المومنین کا وعدہ اس سے متعلق ہوتا ہے؛ ہدایت کے راستے کھل جاتے ہیں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کا قول پورا ہوتا ہے۔

مجاہدہ بیوی بچوں کا چھوڑنا، راتوں میں کم سونا، فاقہ پر فاقہ کرنا، حقوق نفس کو تلف کرنے کا نام نہیں۔ مجاہدہ "حقوق نفس" کا ادا کرنا ہے اور غیر شرعی "حظوظ نفس" کا ترک کرنا ہے، مجاہدہ قلب کا تصفیہ ہے، روح کا تجلیہ ہے اس کا بہترین طریقہ خیالات فاسدہ کا دماغ سے تخلیہ ہے۔ جو شخص اپنے قلب ودماغ میں فاسد خیالات کے بجائے پاک خیالات کو، سلبی افکار کے بجائے ایجابی افکار کو جگہ دیتا ہے وہ اعمال سئیہ کا دروازہ بند کردیتا ہے! اس کے لئے امتثال امور اجتناب محظور اور رضا بقدر آسان ہوجاتے ہیں جو عارف اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے الفاظ میں دین کا خلاصہ ہیں[1]۔

---

[1] فتوح الغیب مقالہ اول

ایجابی خیالات میں سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے جو سرچشمہ ہیں تمام محامد و محاسن کا، تمام خوبیوں اور نیکیوں کا، جو مبدء ہیں طمانیت و سرور کا علو و بلندی کا، قوت و عزت کا۔ اگر تم اپنے قلب کو تمام سلبی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اس میں جمانے کی کوشش کرو گے تو چند روز میں پاؤ گے کہ یہ تمام صفات مقید پیمانہ میں تم میں خود ظاہر ہو رہی ہیں۔ نفسیات کا یہ عام قانون ہے کہ آدمی جس چیز کے خیال اور دھن میں رہتا ہے رفتہ رفتہ اس کی خو بو اس میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ یا نفسیاتی زبان میں یوں کہو کہ اس کا جو معروض فکر ہوتا ہے وہی وہ بھی بنجاتا ہے! اس قانون کو جان کر اور مان کر تم ہرگز سلبی خیالات پر فکر و توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کرو گے ایجابی خیالات ہی کو جمانے اور رسانے کی کوشش کرو گے اب ہم عارف روم کے الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظ کے لئے حقیقی معنی بر خوش میں رہ سکتے ہو؟

کیست زو بہتر بگو اے ہیچ کس ۔۔۔ تا بداں دل شاد باشی یک نفس

اگر تمہیں چشم بصیرت ملی ہے اور تم عارف روم کے ساتھ اتفاق کرتے ہو تو پھر کیا حق تعالیٰ سے بہتر اور کسی کی دھن ہو سکتی ہے؟ اب دن کا زیادہ حصہ اس دھن میں گذارو، گفتار کو چھوڑ کر اسی کار بزرگ میں لگ جاؤ رفتہ رفتہ جامی سامی نے جو کہا تھا اس کا تم کو تحقق ہونے لگے گا۔

گر در دل تو گل گزرد گل باشی ۔۔۔ ور بلبل بیقرار بلبل باشی
تو جزوی و حق کل است روزے چند ۔۔۔ اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی

جو چیز تم کو خود تجربہ سے معلوم ہو جائے گی اس کا ذکر ہم کیا کریں لیکن تحریص کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ تم پر سرور اور فرحت کے دروازے کھل جائینگے "اطمینان قلب"

جو دنیا کی کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا وہ نقد دم ہوگا اور اس آیۂ کریمہ کا اپنی ذات کو مصداق پاؤ گے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي [1]

نفسِ مطمئنہ کا حصول رضائے الٰہی کا تحقق، جنت ذات میں دخول، یہ نتائج ہیں اس مجاہدہ کی تکمیل کے! جو لذت کہ حق تعالیٰ کی یاد میں ہے، جو مستی اس کی یافت وشہود سے حاصل ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں لذاتِ جہاں ہیچ ہیں جامی اس ذوق ومستی کو اس والہانہ انداز سے ادا فرماتے ہیں۔

کاے بلبل جان مست بیاد تو مرا | وے پایۂ غم پست بیادِ تو مرا
لذاتِ جہاں را ہمہ در پا فگند | ذوقیکہ دہد دست بیاد تو مرا

حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری رہے، فَاذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا پر عمل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو اور اس سے مقصود رضا و قرب الٰہی ہو۔ جب تمہاری توجہ ذکر کی وجہ سے خرافات دنیوی سے ہٹ کر ایک نکتہ پر مرکوز ہوگی تو خود بخود، فاسد، سلبی، پریشان کن خیالات اور وساوس کا دروازہ بند ہو جائیگا اور رہی سہی خیالات کی یہ پراگندگی موقوف ہوئی ایک روحانی کیف و طمانیت سے تمہارا قلب مملو ہو جائیگا۔ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ کے یہی معنی ہیں۔ ذکر کا قیام مشق اور مجاہدہ سے آہستہ آہستہ ہوتا جاتا ہے۔ اس دولت کے حاصل ہو جانے کے بعد تم تمام چیزوں سے غنی ہو جاتے ہو، نہ کسی چیز کے حصول سے تمہیں لذت ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے رنج لکیلا

---

[1] (پ ۳۰ ع ۱۴) اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف وہ اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔

تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم کے مصداق ہونے لگتے ہو، اللہ کو رکھ کر تمہیں کسی چیز کی خواہش نہیں ہوتی۔ تم عارف روم کے الفاظ میں کہنے لگتے ہو۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست

تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

یاد کے قائم کرنے کا ایک اور آسان گر ہم تمہیں بتلاتے ہیں۔ یہ تو تم مانتے ہو کہ ہر شے کے خالق حق تعالیٰ ہیں، شئے انکی مخلوق ہے ہمارا رات دن سابقہ ان ہی اشیاء سے ہوتا ہے یہی ہمارے دل اور دماغ میں بسی ہوئی ہیں ان ہی کی محبت سے ہمارے قلوب بھرے ہوئے ہیں چونکہ یہ فانی اور گریزپا ہیں ان کا زوال اور ان کی فناپذیری ہمارے غم وحزن کا باعث ہوتی ہے اب قانون ائتلاف ذہنی کی رو سے یہ ممکن ہے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن منتقل ہو جائے تم بھی کوشش کرتے رہو کہ شئے کو دیکھ کر تمہارا خیال شئے کے خالق کی طرف جائے اس طرح تمہیں ہر طرف حق تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آئیگا اور اَینَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجہُ اللّٰہ کے معانی کا ابتدائی فہم حاصل ہونے لگیگا۔ شئے کی سلبی جہت سے توجہ ہٹ کر جہت حق کی طرف مرکوز ہو جائے گی اور اس طرح یاد قائم ہونے لگے گی تمہارا معروض فکر اب شئے نہیں حق ہوگا اور ان تمام انوار سے تمہارا قلب معمور ہونے لگے گا جو وجہ اللہ کی طرف رخ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

اس طریقے سے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ سعادت و مسرت کا چشمہ خود ہمارا قلب ہے، حق تعالیٰ کا جلوہ گاہ خود ہمارا قلب ہے۔ آفاق میں حق تعالیٰ ظاہر ہیں ہر شئے کے ساتھ جہت حق موجود ہے صحیح علم کے استعمال سے وہم اور التباس دور ہوا اور نظر کی اصلاح ہوئی۔ نقطۂ نظر بدلا معلوم ہوا کہ انفس و آفاق میں حق تعالیٰ نہاں و عیاں ہیں، ان ہی سے تعلق قائم کرنا، ان ہی کی یاد کا جمانا

تمام مسرتوں اور سعادتوں کا حاصل کرنا ہے، ان سے غفلت اور دخول خلق میں استغراق اور فنائیت تمام بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے۔ مَنْ یُعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ موڑتا ہے چڑھتی عذاب میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (پ ۲۹ ع ۱۱) اسی مفہوم کو رومی کے دلنشین الفاظ میں سُن کر یاد رکھو۔

گر گریزی بر امید راحتے ہم از آنجا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوتگاہ حق آرام نیست

حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت خواہ بظاہر وہ کیسی ہی دلفریب اور دلکش نظر کیوں نہ آئے نور کو چھوڑ کر ظلمت میں گرفتار ہونا ہے اور ظلمت سے ضیقِ غم وحزن وخوف کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے ظلمت میں چیزیں اپنے صحیح خط وخال میں کہاں نظر آتی ہیں! کسی شئے کا حُسن وجمال تاریکی میں کیا دکھائی دیگا! پھر تمہاری نظر میں اشیاء کی یہ دلفریبی تمہارے نفس کا دھوکہ ہے التباس ہے، تمہارا واہمہ بھی تو خلاق ہے، کیسی کیسی دلربا صورتیں یہ تمہاری خوشی کے لئے پیدا کرتا ہے۔ ان سے تمہیں ابھی لذت حاصل ہوتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد غم کا سایہ تمہارے قلب پر چھا جاتا ہے، ابھی اعتماد ہوتا ہے ذرا دیر بعد خوف کا زبردست حملہ ہوتا ہے اور تم کانپ اٹھتے ہو! تمہاری طبیعت میں استقلال نہیں استحکام نہیں، تمہاری کوئی پناہ گاہ نہیں! اگر تم اپنی غفلت سے جاگ اٹھو، اگر تمہاری چشم بصیرت کھل جائے اور نور اور صداقت کی دنیا نظر آنے لگے تو تمہیں اشیاء ویسی ہی دکھائی دینے لگیں گی جیسی کہ وہ ہیں۔ اب تم کو حیات طیبہ نصیب ہوگی، طمانیت وبرد قلبی حاصل ہوگی۔ خوف وحزن زائل ہو جائیگا، استقلال واستحکام عطا ہوگا اور حق تعالیٰ کے اس وعدہ کا ایفا ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

(پ ۱۴ ع ۱۹)

یادِ حق کو قائم کرنے، تمہارا رخ ظلمت سے نور کیطرف پھیرنے، مجاہدہ کے راستے کو آسان کرنے خلق سے توڑنے اور حق سے جوڑنے میں نیکوں کی صحبت عجیب وغریب اثر رکھتی ہے صحبت کا اثر نفسیات کا ایک مسلمہ اصول ہے[2] ہر فرد میں بے سوچے سمجھے ہر قسم کے قضایا کو قبول کرنے کی استعداد یا صلاحیت پائی جاتی ہے، جب یہ قضایا خود اپنے ذہن کے اندر سے وصول ہوتے ہیں تو اسکو جدید نفسیات کی اصطلاح میں "خود ایعازی (auto-suggestion) کہا جاتا ہے اور جب کسی خارجی ذریعہ سے حاصل ہوں تو غیر ایعازی (hetero-suggestion) کہا جاتا ہے۔ رات دن ہم خود ایعازی اور غیر ایعازی کے اثر کے تحت خیالات کو قبول کر رہے ہیں اور ان کو جزو ذہن بنا رہے ہیں اگر سلبی ضلالی افکار غیر ایعازی قوت کی وجہ سے ہمارے قلب میں جگہ پا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بری صحبت میں ہیں اور ان کے تیقنات و افعال کی نقل کر رہے ہیں اور اضطراری طور پر ان سے متاثر ہو رہے ہیں ان کے سمی اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صحبت ناجنس سے احتراز کریں ؎

زاحمقاں بگریز چوں عیسیٰ گریخت | صحبت احمق بسے خونہا بریخت

---

[1] جس نے نیک کام کیا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان پر ہے تو ہم اس کو زندگی دینگے ایک اچھی ستھری زندگی

[2] و مثل جلیس الصالح مثل صاحب المسک ان لم یصبک منہ شیٔ اصابک من ریحہ و مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سواد اصابک من دخانہ (ابو داؤد و نسائی عن انس[؟]) نیک ہمنشین کی مثال مشک والے کی سی ہے اگر تجھے اس سے کچھ نہ ملے تو خوشبو تو ضرور پہونچیگی اور برے ہمنشین کی مثال لوہار کی بھٹی یا بھٹے کی سی ہے اگر تجھ کو سیاہی نہ لگے تو دھواں تو ضرور پہونچتا ہے۔

سلبی اثرات سے اس طرح بچ کر ایجابی اور ہدایتی علم کے لئے نیکوں کی تلاش کرنی چاہیئے۔ اہل اللہ کی زبان سے حاصل کیا ہوا علم اپنے اندر خاص اثر و قوت رکھتا ہے وہ قلب کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے یقین و اذعان کی شکل اختیار کر لیتا ہے علم حق کو شیخ اکبر محی الدین عربی نے علم اذواق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں علم الحق علم الاذواق لا من الاوراق هو العلم الصحیح وما عداه فحدث وتخمین لیس العلم اصلاً یعنے علم حق ذوق و وجدان سے حاصل شدہ علم ہے محض کتابوں سے حاصل کردہ نہیں اور یہی علم صحیح ہے باقی اٹکل پچو غیر معتبر ہے۔ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کا علم قیاسی نہیں مبدء نبوت سے اخذ کردہ ہے قطعی واقعی ہے اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ خود ان کے معلم ہو گئے ہیں اور اب وہ براہ راست اسی مبدء سے علم حاصل کرنے لگے ہیں اتقوا اللہ ویعلمکم اللہ[1] اس پر دلیل ہے اس لئے ایک دوسرے رازداں کی نصیحت یہ ہے کہ خذ العلم بافواہ رجال اللہ لا من الصحائف والدفاتر مردان حق کی زبان سے علم حاصل کرو کتابوں میں قیاس و تخمین ظن و رائے کے سوائے کیا رکھا ہے اہل اللہ کی صحبت خاک کو کیمیا کرتی ہے۔ ان کے افعال و اعمال ان کے افکار و خیالات رفتہ رفتہ قلوب کے زنگ کو دھوتے جاتے ہیں اور تم غیر شعوری طور پر نیکی کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور بدی سے مجتنب و محترز اور بالآخر ظلمت سے نکل کر نور کی طرف تمہارا منہ ہو جاتا ہے۔ عارف روم نے صحبت مردان حق کے اثرات کو یوں بیان فرمایا ہے :-

خواہی کہ دریں زمانہ فردے گردی	یا در رہ دیں صاحب دردے گردی
ایں را بجز از صحبت مردان مطلب	مردے گردی چو گرد مردے گردی

---

[1] اللہ سے ڈرو وہ تمہیں علم دیتے ہو۔

یہ کُونُوا مع الصّادِقِین کے حکم کے پنہاں فائدوں کی اجمالی توضیح ہے۔
سیرت سازی کے قرانی اصول کی اوپر جو توضیح پیش کیگئی اس کو اجمالاً ایک دفعہ پھر دہرا لیجئے اذا تکرّر تقرّر تکرار سے چیزیں زیادہ دلنشین ہوتی ہیں۔ سیرت کی عمارت کا سنگ زاویہ لا الٰہ الا اللہ پر پختہ یقین و اذعان ہے، تمام انبیاء کا اپنی قوم کو یہی پیغام تھا کہ یاقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہٍ غیرہٗ "اے قوم اللہ کی عبادت کرو ان کے سوا تمہارا کوئی الٰہ یا معبود و رب نہیں" اللہ ہی لایق عبادت ہیں استعانت ان ہی سے کیجانی چاہیئے میرا سر ان ہی کے سامنے جھک سکتا ہے۔ غیر کے سامنے نہیں میرا یہ ہاتھ ان ہی کے سامنے پھیل سکتا ہے کسی اور کے سامنے نہیں۔ اس بنیادی عقیدہ کا زبان سے اظہار اور قلب سے اقرار ضروری ہے۔ زبان سے بار بار کی تکرار یقین کو پختہ کرتی ہے جس قدر یقین میں پختگی ہوگی اسی قدر عمل میں سہولت ہوگی۔ یقین میں شدّت پیدا کرنے کے لئے غور و فکر تدبر و مراقبہ ضروری ہیں۔ یقین اس شدت کا پیدا ہوجائے کہ شک و شبہہ کی مطلقاً گنجائش نہ رہے تم جانتے ہو کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے تمہارا ہاتھ جل جائیگا۔ اسی طرح تمہیں توحید فی المعبودیت و توحید فی الربوبیت کا یقین ہوجانا چاہیئے ذلت جو عبادت کی اصل ہے حق تعالیٰ ہی کے سامنے اس کا اظہار ہوسکتا ہے جو ہمارے مالک ہیں حاکم ہیں مولیٰ ہیں خالق ہیں رب ہیں، وکیل و نصیر ہیں۔ حق تعالیٰ ہی نافع و ضار ہیں معز و مذل ہیں حاجت و مراد ان کے سوا کوئی پوری نہیں کرسکتا اس لئے ان ہی کے سامنے دست سوال دراز ہوسکتا ہے کسی اور کے سامنے ہرگز نہیں زبان پر دعا جاری رہے اور قلب میں اس کا مفہوم متمکن :۔

اَللّٰھُمَّ کَمَا صُنْتَ وُجُوْھَنَا اَنْ تَسْجُدَ لِغَیْرِکَ فَصُنْ

اَيدِ يْنَا ان نّمُتَدّ بالسّؤَال لغيرك

الہٰی جس طرح تو نے ہمارے چہروں کو غیر کے آگے سجدہ کرنے سے بچایا
اسی طرح ہمارے ہاتھوں کو تیرے غیر کے آگے سوال کرنے سے بچائے
رکھ ۔"

اس عقیدہ و یقین کا شخص اپنے ہم جنسوں کے آگے کیسے خود کو
ذلیل کر سکتا ہے ؟ اس کی سیرت غلاموں کی سی کیسی ہو سکتی ہے وہ نفع و
ضرر کی توقع غیر اللہ سے کب رکھ سکتا ہے اور اپنی عزت اس وہمی نفع
و نقصان کی خاطر کیسے بیچ سکتا ہے ؟ مجاہدہ اسی یقین اساسی کو پختہ کرتا
ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ خواطر کی نگہبانی کیجائے سلبی اور اضلالی علم کو
ایجابی و ہدایتی علم سے بدلا جائے "قانون تقطیب افکار" (Law of
the Polarisation of Thoughts) نفسیات کا ایک مسلمہ قانون ہے اسی قانون
کے استعمال سے اضلالی علم ہدایتی علم میں مبدّل کیا جا سکتا ہے نہ صرف یہ
بلکہ ایجابی خیالات ہدایتی افکار کو ہمیشہ ذہن میں جمانے کی کوشش
کرنی چاہیئے اور سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے جب
یہ قلب پر چھا جاتا ہے تو قلب تمام ظلمتوں سے پاک ہو جاتا ہے نورانی بن
جاتا ہے نور ہو جاتا ہے " اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِی نفسی نورًا اللّٰھُمَّ اجْعَلنی
نوراً کی دعا قبول ہو جاتی ہے اس کا نتیجہ سرور و طمانیت ہے مسرت و سعادت
ہے جو پاک سیرت کی لازمی خصوصیت ہے نیک سیرت شخص مسرور و مطمئن
ہوتا ہے اس کی جان اس کا تن راحت میں ہوتا ہے وہ قطرۂ نور ہوتا ہے غم سے
فارغ اور دائماً مسرور ہوتا ہے یہ روحانی مسرت ہے جو طبعی غم و حزن میں
بھی باقی رہ سکتی ہے ! اَلَآ اِنَّ اَولِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوفٌ عَلَیھِم

ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ
فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذلک ھو
الفوز العظیم (پ ۱۱ ع ۱۱)